# اقبال فراموشی کی سزا

مذہب سے بیزار طبقے کا مذہب پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس میں قدر کی جبر ہے کہ خدا انہیں مجبور محض بنا دیتا ہے کہ ان کا کام یہی ہے کہ وہ اسی حالت میں زندگی گزاریں اور کوئی چون و چرا نہ کریں۔ یہ مذہب کی گہرائی سے ناواقفیت اور خدا پر بہت بڑا الزام ہے۔ قرآن میں تو ہے کہ خدا اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جو قوم اپنی حالت خود نہیں بدلتی۔

"کسی قوم کی حالت اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اسے نہ بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے" (الرعد 13:11)

گویا اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کی رو سے فرد یا قوم کے بدلنے سے خدا ان کی تقدیر بھی بدل دیتا ہے اور یہ عمل تسلسل سے جاری ہے۔ انسان اخلاقی طور پر مجبور ہے کہ وہ اپنے خالق کی اطاعت کرے باقی کاموں میں وہ آزاد ہے اور اسی آزادی کی بدولت ہی وہ اطاعت، گناہ یا بغاوت وغیرہ کرتا ہے۔ خدا تو اپنی مخلوق پر احسان پر احسان کئے جاتا ہے وہ وقتاً فوقتاً نابغہ روزگار ہستیاں تخلیق کرتا رہتا ہے اب یہ مخلوق پر لازمہ داری ہے کہ وہ اُن سے کتنا استفادہ کرتی ہے اپنی کس حد تک اصلاح کرتی ہے۔ جو فرد یا قوم ان سے جتنا مستفید ہوتی ہے اتنا ہی ان کی تقدیر انعام کی صورت میں بدل جاتی ہے اور جو قومیں پہلو تہی کر کے ان سے اپنا دامن چھڑا لیتی ہیں اور شجر بے ثمر کی مانند ہر طرح کے کھلیانوں میں منہ ماری شروع کر دیتی ہے تو خدا کی یہی تقدیر سزا کا روپ دھار لیتی ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کی ایک ایسی ہی نابغہ روزگار ہستی علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جسکی فکر و تعلیمات پر جب برصغیر کے مسلمانوں نے عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک آزاد خطۂ پاکستان کو بطور انعام ان کی تقدیر میں لکھ دیا۔ اقبال نے قرآن مجید کی روشنی میں وہ تمام باتیں کہی تھیں جنہیں اب بعض وجودی اور انقلاب پسند فلسفی بڑی محنت اور تجربہ کے بعد کہنے لگے ہیں۔ اسلام نے ابتداء سے لے کر انتہاء تک انسان کی ذمہ داریوں اور ان کے نتائج کی بات کی ہے۔ قیامت کے دن بھی انسان کے اسی دنیا کے ظاہری اور باطنی اعمال سامنے آئیں گے جس کسی نے جو کمایا ہوگا اسے وہ اسی روز ملا حظہ کرے گا۔ فکرِ اقبال کی اپنے دور کے مفکرین میں انفرادیت کا ایران کے انقلابی دانشور ڈاکٹر علی شریعتی نے بڑا جامع انداز میں تذکرہ کیا ہے۔" کچھ لوگوں نے آجکل دین اسلام کو پڑھے، سمجھے اور پرکھے بغیر اس سے گلو خاصی کر رکھی ہے وہ اپنی نام نہاد اور مزعومہ روشن خیالی کی بنا پر کچھ سیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ دوسری طرف پر اس قسم کے علماء بھی ہیں جو گزشتہ زمانوں کے مسائل کے حل اور پرانی تاویلات ہی کو کافی سمجھتے ہیں اور کوئی نئی بات سوچنے یا کرنے کے روادار نہیں۔ اقبال ان دونوں گروہوں سے لاتعلق اور جدا ہیں ان دونوں گروہوں میں ایک قدر مشترک ہے کہ دونوں اسلام کو رسوم و رواج اور چند ظاہری اعمال کا نام دیتے ہیں۔ نام نہاد روشن خیال تو اسے مانتے ہی نہیں۔ مگر روایت پرست علماء کسی بھی تحقیق اور انطباق مسئلہ کے روادار نہیں۔ اسلام شناس تو وہ ہیں جو اس دین کو رواج یا فیشن کے قبیل کی چیز نہیں مانتے انہیں اہل مغرب کی پسند اور ان کی تقلید میں بات کرنے کی عادت نہیں۔ وہ مذہب کو موروثی اور لگے بندھے اعمال کا مجموعہ ہی نہیں

جانتے، انہیں ان اعمال و رسوم کی روح اور فلسفے سے بھی سروکار ہے، وہ دردمند اور مخلص لوگ ہیں انہیں عالمانِ دین یا روشن خیال کہلوائے جانے کا شوق نہیں۔ مگر وہ اسلامی تاریخ، تمدن، مسلمانوں کے عروج و زوال اور تحریک اسلامی کے مزاج و مذاق کے شناسا اور ترجمان ہیں ان کے نزدیک اسلام ایک مذہب نہیں بلکہ ایک نظام حیات ہے۔ وہ دین یا نظام حیات پر توجہ رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ دینِ اسلام ایک مکتب فکر و عمل ہے اور ایک ممتاز نظریہ حیات ہے۔ اس عملی اور تحقیقی، تاریخی اور سیاسی حقائق کو اس طرح پیش کیا ہے کہ اس سے ان کا مزاج شناسِ اسلام ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے پرتو میں ہی اقبال ایک خود شناس ہیں اور اس کے علاوہ ایک مسلمان مفکر اور مصلح بھی ہیں۔

اقبال کی خواہش تھی کہ برصغیر میں مسلم اکثریت والا خطہ پاکستان نظام اسلامی کی ترویج کا نمونہ بنے۔ یہاں وہ چاہتے تھے کہ اسلامی تعلیمات اور مغربی سائنسی ترقیات کا دور دورہ ہو۔ یہ مسلمانوں کی بلکہ جملہ اہل مشرق کی ضرورت ہے کہ ایسا تجربہ کر دیکھا جائے، اور اہل دنیا مادیت اور روحانیت کے امتزاج کو موجودہ صدیوں میں ہی دیکھ لیں تاکہ ان کی تشنگی کا احساس باقی نہ رہے۔

اقبال نے واضح انداز میں آگاہ کر دیا کہ

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

مگر اس کے ساتھ ساتھ اقبال کو ایک خدشہ بھی لاحق تھا کہ یہ قوم جو صدیوں بادشاہوں کی غلام رہی ہے کہیں اپنی روایات کو چھوڑ کر استعمار کی تہذیب و ثقافت کی ذہنی غلام نہ بن جائے۔

اس قوم کو تجدید کا پیغام مبارک
ہے جس کے تصور میں فقط بزم شبانہ
لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ آج انسانیت کو اپنے جن اعمال کی سزا مل رہی ہے اس میں مشرق و مغرب اگرچہ برابر کے شریک ہیں۔ اہل مغرب کو تو بعض مادی آسائشیں میسر ہیں جن سے اہل مشرق محروم ہیں مگر یہ فکرِ اقبال کی تنبیہات کو فراموش کر کے مغربی معاشرت کی خرابیوں میں کافی حد تک ملوث ہو چکے ہیں، مشرق ابھی ہمہ گیر صنعتی انقلاب کی منزل پر نہیں پہنچا اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام کی تمام برکتیں ابھی پوری طرح مشرق میں راسخ نہیں ہوئیں مگر مغرب کے ترقی یافتہ انسان کی ساری مشکلات یہاں امڈ کر آئی ہیں۔ مغربی علمی اور مادی قوانین سے مستفید ہوئے بغیر، مغربی تمدن کی خرابیوں میں مبتلا ہونا اہل مشرق کی بدبختی کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے؟ یہاں ابھی بھوک، افلاس اور جہالت اپنے انتہائی درجے پر موجود تھی اور یہ سے مغربی تمدن کا اخلاقی بگاڑ بھی آن پہنچا۔ اہل مشرق دوہری مصیبت میں مبتلا ہیں اور ان کی مصیبتیں متضاد بھی ہیں۔ ایک طرف معاشی بدحالی، تعلیمی پسماندگی، مادی کمزوری، افلاس اور مجموعی زوال و انحطاط کا دور دورہ ہے اور دوسری طرف مغربی تمدن کی خرابیاں، پریشان خیالی، بے اطمینانی، روحانی بے چینی، فلسفیانہ قنوطیت، احساسِ تنہائی، بے سوز و ساز زندگی، مقصدِ حیات سے بے خبری، اخلاقی بگاڑ اور بعض مخصوص حالات میں پر تعیش زندگی سے بیزاری کا بھی سامنا ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ کسی نے ہمیں ان خرافات سے آگاہ نہیں کیا، علامہ اقبال نے ہمیں ایک ایک بات سے خبردار کیا ہے۔

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

"جاوید نامہ" میں فرمایا

شرق را از خود برد تقلید غرب
باید این اقوام را تنقید کرد
قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب
نی ز رقصِ دخترانِ بے حجاب
محکمی اُو را نہ از لا دینی است
نی فروغش از خطِ لا طینی است
فکرِ چالاکی اگر داری بس است
طبعِ دراکی اگر داری بس است

ترکِ مشرق کو تقلیدِ مغرب نے اپنے آپ سے بیگانہ کر دیا ہے چاہئے مشرقی اقوام کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے۔ مغرب کی طاقت کا راز اس کے چنگ و رباب اور بے حجاب عورتوں کے رقص و سرود میں پنہاں نہیں، اور اس کی استواری اور پختگی کا سبب اس کی لادینیت اور اس کا لاطینی رسم الخط بھی ہرگز نہیں، اس کے لیے تو صرف بصیرت اور علمی مزاج کی ضرورت ہے۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا عنقریب میری امت پر ایسا وقت آنے والا ہے جب ان پر اقوام کفر اس طرح ٹوٹ پڑیں گے جس طرح کوئی بھوکا دسترخوان پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس وقت مسلمان تعداد میں تھوڑے ہوں گے؟ فرمایا نہیں،

مسلمان تعداد میں درختوں کے پتوں کی طرح ہوں گے۔ عرض کیا یارسول اللہ پھر اس طرح کفار کیوں ٹوٹ پڑیں گے؟ فرمایا میری امت کے لوگوں میں "وھن" پیدا ہو جائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ "وھن" کیا ہوتا ہے؟ فرمایا "وھن" سے مراد دو چیزیں ہیں۔

"حب الدنیا" یعنی دنیا کی محبت

"کراہیۃ الموت" یعنی موت کا ڈر

اقبال نے اسی دنیا سے بے رغبتی کا درس دیتے ہوئے فرمایا تھا

ای اسیر رنگ و باک از رنگ شو

مومن شو، کافر الرنگ شو

رسول اللہ ﷺ نے جو منظر بیان فرمایا اور اقبال نے جس چنگ و رباب کے رنگ سے بچنے کی تلقین کی آج اس کا نقشہ دیکھا جا سکتا ہے دنیا میں مسلمانوں پر سامراجی تہذیب کی یلغار ہے دن بدن اس میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ دنیا کی محبت کا عالم یہ ہے کہ دوسرے تو کجا مذہب و روحانیت کا درس دینے والوں کا (الا ماشاء اللہ) حال یہ ہے کہ دین کو فقط حصول دنیا کا ذریعہ بنا لیا گیا۔

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

رہا موت کا ڈر تو عالم اسلام نے جہاد سے اس طرح منہ موڑ لیا ہے جیسے ان پر کبھی فرض ہی نہیں۔ اسرائیل جیسے چھوٹے ملک نے تمام عرب کو آگے لگا رکھا ہے انہی وجوہات کی وجہ سے عالم اسلام پر شکست خوردگی اور مایوسی کے بادل منڈلا رہے ہیں حالانکہ امت مسلمہ کی منزل دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے موت اس کا زوال نہیں بلکہ اپنے خالق سے ملاقات کا ذریعہ اور دنیا کا سب سے بڑا تحفہ ہے۔

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی

ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

یہ اقبال فراموشی کی سزا ہی ہے کہ ہمیں جہالت کے اندھیروں نے چاروں اطراف سے گھیرا ہوا ہے۔ بنا بریں ہم بدعتوں اور اوہام کی دلدل میں بری طرح پھنس چکے ہیں۔

دل ہے مسلماں میرا نہ تیرا

تو بھی نمازی میں بھی نمازی

بہت سے پڑھے لکھے بھی دینی جہالت سے مبرا نہیں ہیں وہ قرآن کریم میں وسائل کی بجائے مسائل ڈھونڈنے میں سرگرداں رہتے ہیں نکات کو نظر انداز کر کے نکتہ کی تلاش میں متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ یہ دانشمندانہ رویہ نہیں جہالت کی اندھیری رات میں وہ بھی کاروان اسلام کو چھوڑ کر بھٹک گئے ہیں بیشتر مذہبی جماعتیں روح اسلام سے نامتعلق ہیں جن سے اسلامی اقدار کی کچھ خوشبو آتی ہے وہ بھی متعدد تنظیموں کی سرپرستی سے دانغدار ہو چکی ہے۔ بعض کی تو تعمیر میں ہی اسلام کی ضد فرقہ واریت اور قتل و غارت ہیں۔ فی زمانہ ہماری انفرادی و اجتماعی کوتاہیوں کی بدولت اسلامی جاہ و جلال مفقود ہے۔ اسلام نے ہر جگہ غلبہ پایا تھا کبھی آج کی طرح مغلوب نہیں ہوا تھا۔ اقبال نے فرمایا تھا:

تمہاری دفغاری و قدری و جرأت

یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

آج اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم مسلمان کہلانے کے حقدار ہیں قریہ قریہ محلے محلے مذہبی ملاؤں کی رسمی اذانوں کی گونج تو ہے مگر نہ ان میں روح بلالی ہے اور نہ اسلامی جمال و جلال۔ ان کی اذانوں پر گلی گلی انتریف، گھر گھر کیبل ٹیپ ورک اور بچہ بچہ کے پاس موبائل فون سروسز کی صورت میں سیکولر ملاؤں کی ڈیجیٹیں غالب آ چکی ہیں۔ ایمان کی کمزوری سے ہم کاروان اسلام سے بچھڑ گئے ہیں ایسے لگتا ہے کہ ہمیں دین رسول ﷺ میں اعتقاد و اعتماد نہیں رہا۔ بہ ایں وجہ ہم "لاسوں اور کرسیوں" کے گورکھ دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں حالانکہ اقبال نے تو ہمیں یہ درس دیا تھا کہ

گر تو می خواہی مسلمان زیستن

نیست ممکن جز بقرآن زیستن

کہ قرآن کو ہم پس پشت ڈال کر بطور مسلمان زندگی نہیں گزار سکتے۔ قرآن ہمیں ایک واضح اور لازوال آئین پیش کر رہا ہے۔ جو کہ ہر دور اور ہر زمانے میں فلاح و بہبود، اطمینان قلب اور حقیقی مسرتوں کا ضامن ہے۔ پاکستانی قوم نے تو آئینی، فکری اور قانونی سطح پر اپنے آپ کو پابند کیا ہوا ہے کہ ہم قرآن و سنت کا احیاء کریں گے۔ صرف یہی نہیں کہ قرآن کے کچھ قوانین اور کچھ اسلامی سزائیں نافذ کریں بلکہ ہم نے نظام ربوبیت یعنی نظام حیات کو ساتھ لیکر چلنا ہے۔ اقبال نے کہا تھا کہ قرآن کا مخاطب انسان ہے صرف مسلمان نہیں۔ لہٰذا قرآنی اصولوں کو ہم صفات الٰہیہ کا نام بھی دے سکتے ہیں جن سے روگردانی کر کے ہم خدا سے بغاوت کر رہے ہیں۔

پاکستان ایک واحد ملک ہے جو کہ صرف نظریہ اسلام پر وجود میں آیا ہے جسے اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ بننا تھا۔ اس کی بنیادوں میں صرف تقریریں، تحریریں اور تحریکیں ہی نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کی

شہادت کا خون ہے ہزاروں بیاہیاں کلمہ گو خواتین کی لٹی ہوئی عصمتیں ہیں اور ان کی خود کشیوں کی دل نگار داستانیں ہیں اور نیزوں پر لٹکے ہوئے معصوم بچوں کے جسم ہیں۔ لیکن صد افسوس! آزادی کے ترسٹھ برس بعد قرآن وسنت کے عالمگیر اصول و ضوابط کو طاق نسیاں میں رکھا جا رہا ہے۔ حصول پاکستان کے بعد ہم نے نہ صرف مقصد یعنی نصب العین وعقیدہ کو فراموش کر دیا بلکہ خلاف ست سفر شروع کر دیا اور یہ ایک حد تک قیادت کے خلا کا بھی نتیجہ تھا اور مقصد اصلی یوں نگاہوں سے اوجھل ہوتا چلا گیا الا ماہم قبائلی، لسانی اور صوبائی تعصبات کا شکار ہوئے اور یہ بات فراموش کر دی کہ اگر یہی صورتحال تھی تو برعظیم کی اقلیتی صوبوں کے مسلمان اپنے آپ کو غیروں کے حوالے کر کے یوں نشانہ ستم وظلم کیوں بنے؟ گویا پاکستان نتیجہ تھا برعظیم کی مسلمان قوم کی مشترکہ جدوجہد کا جو چاہے برصغیر کے کسی بھی حصہ میں قیام پذیر تھے اقلیتی صوبے میں تھے یا اکثریتی صوبے میں، اس وقت پوری مسلم قوم کے مستقبل اور ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کی جنگ لڑی جا رہی تھی آپس میں کوئی گروہی، لسانی یا صوبائی تعصبات نہ تھے بلکہ ہر کلمہ گو مسلمان ملت اسلامیہ کے مستقبل کے لئے سرگرم عمل تھا اور ملت کی وحدت ناقابل تقسیم تھی ورنہ اگر آج جیسی صورتحال ہوتی تو مسلمان کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے اس وقت جواہر لعل نہرو اعلانیہ کہہ رہے تھے کہ اصل مسئلہ اقتصادی ہے اس میں ہندو مسلم کی کوئی تفریق نہیں مگر فکر اقبال کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ مسلمانوں نے اُسے پرکاہ کے برابر وقعت نہ دی اور پوری طرح قائداعظم کا ساتھ دیا اور انتخابات کے ذریعے ہی منزل پائی۔

اور آج ہمارے انتخابات کے ماحول کا جائزہ لیں تو سوائے کرسی کے چکر، سیٹیں بڑھانے اور بزنس کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا عوام الناس کو یقین ہو چکا ہے کہ اعلیٰ عہدوں پہ فائز تمام لوگ ملک کے بڑے جاگیردار اور سرمایہ دار ہیں یہ لوگ سیاست برائے خدمت نہیں بلکہ اپنی جاگیروں اور صنعتوں کے تحفظ اور اضافے کے لئے کرتے ہیں۔ جیتنے والا ہارنے والے سے پوچھتا ہے کہ تمہارا کتنا نقصان ہوا اور ہارنے والا جیتنے والے سے معلومات لیتا ہے کہ تمہیں کتنا نفع حاصل ہوا۔ سیاست سے دین بیدخل ہو چکا ہے۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

سیاسی گرگ اسی چنگیزیت کی وجہ سے پرویزیت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں اور نظریات کی بجائے ذاتیات اور شخصیات کا پرچار کر رہے ہیں۔ مذہبی جماعتوں کے قائدین بھی ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ علیحدہ مسجدیں بنائے بیٹھے ہیں۔ ان کے اتحاد کے جلسوں میں انہیں اسلام کے خداداد لازوال پلیٹ فارم پر اکٹھا ہونا تو کجا ایک ہی صف میں ایک ہی امام کے پیچھے نماز ادا کرنا بھی گوارا نہیں ہوتا ان میں اکثر اسلام کے مجاہد بننے کی بجائے اسلام کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں اپنی تقریروں میں اور تحریروں میں گو وہ اسلام کو تکیہ کلام بناتے ہیں لیکن ان کے اغراض ومقاصد روح اسلامی سے ناآشنا ہیں۔

صلح شر گردد چو مقصود است خیر
گر خدا باشد غرض جنگ است خیر
گر نہ گردد حق ز ضرب ما بلند
جنگ باشد قوم را ناارجمند

اقبال فرماتے ہیں کہ اگر ہماری صلح پسندی شر کا باعث بن رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا مقصود اللہ کی ذات نہیں ہے۔ اگر ہمارے باطن میں اللہ کی ذات ہوتی تو ہماری لڑائی سے امن و سلامتی کی خیر کا دروازہ کھل جانا تھا۔ اگر ہماری تلوار سے حق بلند نہیں ہوتا تو یہ جنگ قوم کے لیے بدبختی کی علامت ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر ہم اور کیا ذلیل ورسوا ہوتے کہ اس وقت دنیائے اسلام کو حریف طاقتوں نے گھیرا ہوا ہے اور ہر مسلم ملک اندرونی وبیرونی خطرات سے دوچار ہے۔ جب ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو نوبت حسین کی سی آجاتی ہے جو کبھی عظمت اور شوکت اسلام کے نشانوں کی امین تھی اس سرزمین پر اذانیں خاموش ہو گئیں۔ مساجد کو طیلسانوں میں بدل دیا گیا۔ دور کیوں جایئے ہمارے ہی دور میں اپنے میڈیا کے ذریعے مسلمانوں کو محبت کا سبق پڑھانے والے نام نہاد سیکولر بھارت نے مسلمانوں کی ہی تاریخی مسجد بابری کو شہید کر دیا ہے پھر اسے عدالتی حکم کے ذریعے تین حصوں میں تقسیم کر کے وہاں رام مندر بنا دیا ہے۔ کشمیر، فلسطین اور بوسنیا میں مسلمان شہید ہو رہے ہیں اور ہم اندرون ودور دراز میں الگ الگ ایسے جنون میں مبتلا ہو گئے ہیں جس کی طرف اقبال نے یوں اشارہ کیا تھا کہ

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز ویمن میں نہ مار دو

آج عالم اسلام جن حالات سے دوچار ہے پہلے کبھی نہ تھا مقبوضہ عرب علاقوں اور وادی کشمیر جنت نظیر کی زبوں حالی سب کے سامنے ہے درندہ صفت یہود وہنود وہاں پر جو انسانیت سوز سلوک نہتے اور بے بس مسلمانوں کے ساتھ کر رہے ہیں وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ایسے ایسے اذیت ناک

مظالم تو ہٹلر نے بھی یہودیوں کے ساتھ نہیں کیے تھے۔ یہود و ہنود کی ہر سازش کو دیکھ کر چنگیز خان اور ہلاکو خان کی روحیں بھی ندامت اور شرمساری سے پانی پانی ہو رہی ہیں آج تہذیب اور انسانیت غیرت سے منہ چھپائے پھرتی ہے۔

ایک دور تھا جب اُمت مسلمہ کا قد اتنا بڑا تھا کہ قیصر و کسریٰ اسے جھک کر ملتے تھے۔ کسی زمانے میں ملتِ وسطیٰ یعنی اسٹریٹجیکل اُمہ کا سایہ اتنا گھنا تھا کہ کئی براعظم اس کی چھاؤں میں سکون پاتے تھے۔ قرونِ عہد میں ملتِ اسلامیہ کا رنگ اتنا گہرا تھا کہ کالے گورے، عربی عجمی اور ایشیائی اور افریقی سبھی پر غالب آ گیا تھا اور بھلے وقتوں میں امت مسلمہ کا افق اتنا وسیع تھا کہ مختلف تہذیبوں اس پر سورج چاند اور ستارے بن کر طلوع ہوتی تھیں مگر سوئے بختی کہ اقبال نے ہمیں ملتِ مسلمہ کے اقبال کا جو رنگ دکھانے کی جو سعی کی اسے ہم صحیح طرح دیکھ نہ سکے۔ اب وہ ارادہ قد چھوٹا "سایہ چھوڑ" رنگ پھیکا اور افق دھندلا کر رہ گیا ہے، اب ہم ہر ایک سے چھوٹے نظر آتے ہیں رنگ دوسروں سے مستعار لیتے ہیں، غیروں کا سایہ ہمارا سائبان بنا ہوا ہے اور افق پر ستاروں کی بجائے شرارے دکھائی دیتے ہیں۔ اقبال فراموشی کی ہمیں یہ سب سے بڑی سزا ملی ہے کہ استعماری میڈیا کے منفی پروپیگنڈے نے ہمیں بنیاد پرست دہشت گرد ثابت کر دیا جس کے زیرِ اثر ہم صدیوں سے قائم اپنے کا امتیاز کھو بیٹھے۔

ما مسلمانیم اولاد خلیل
از برائے گفتگو اگر خواہی دلیل

ہم سب مسلمان حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد ہیں۔ اگر تجھے قرآن سے دلیل چاہیے تو سورہ حج کی آیت نمبر ۷۸ دیکھو جس میں ہے کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے انہوں نے ہی تمہارا نام اس سے پہلے مسلمان رکھا۔

اصلِ ملت در وطن دیدن کہ چہ
باد و آب و گل پرستیدن کہ چہ

اقبال نے فرمایا کہ قوم کو وطن کے اندر محصور کرنا اور ہوا پانی اور مٹی سے عشق کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ مسلمانوں کے لیے کوئی جغرافیائی حدود کی قید نہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ لسانی، قومی، وطنی، نسلی، مسلکی اختلافات کو بھلا کر متحد ہو جائیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

اقبال کے اس پیغام کو فراموش کیا تو ہم لسانی، نسلی اور وطنی اختلافات کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اب ہماری حالت یہ ہے کہ عرب دنیا میں غیر عرب مسلمانوں کو جذبۂ اخوت و محبت سے نہیں دیکھا جاتا حالانکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے بجز تقویٰ اور پرہیزگاری کے، گویا اتحادِ ملتِ اسلامیہ "اتحادِ ملت انسانیہ" ہے چونکہ اسلام پوری ملت انسانیہ کا دین ہے اس لئے اس میں چھوٹے اور بڑے کی کوئی تفریق نہیں مگر ہمارے ہاں اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ آقا و غلام، سرمایہ دار اور مزدور، افسر و ماتحت، غریب اور امیر کا تصور ایک خوف ناک حقیقت بن گیا ہے۔ آج بالکل وہی صورتِ حال ہے جو اقبال نے اپنے دور میں دکھائی تھی:

خلقِ خدا کی گھات میں رند و فقیہ و میر و پیر
تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی
تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی، خواجہ بلند بام ابھی

ہم نے اقبال کو فراموش کیا تو ہماری مرکزیت ختم ہو گئی اور شیرازۂ ملت بکھر گیا ہے۔ اقبال کو فراموش کر کے نہ ہم اپنے بن سکے، نہ دنیا کے اور نہ ہی خدا کے ہو سکے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہی بات تحریف تو ہمیں چاہتی تھی اور اس لئے وہ مسلمانوں کو کمزور ترین کر کے اپنے مطلوبہ نتائج حاصل کر رہی ہیں اور مسلمان روز بروز قعرِ مذلت میں گرتا جا رہا ہے۔

اس وقت جو سوال پاکستان، ایران، افغانستان، ترکی، بوسنیا، متحدہ عربیہ، البانیہ، شام، فلسطین، یمن، صومالیہ، سوڈان، لیبیا، مڈغاسکر اور الجزائر کے مسلمانوں کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے وہ یہ ہے کہ خفتہ بخت لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور اگر تم نے اپنا دفاع نہ کیا تو تمہارا حشر کیا ہوگا؟ بقول اقبال

تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں

لیکن مجھے امید ہے کہ ایسا وقت نہیں آئے گا کیونکہ اسلام اور قرآن کی بدولت مسلمان قوم کو بالآخر صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ بقول اقبال

"مجھے مسلمانوں کی تاریخ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ تمام نازک مواقع پر اسلام نے مسلمانوں کو بچایا نہ کہ مسلمانوں نے اسلام کو"۔

لہٰذا اسلام زندہ مذہب ہے بس مسلم خوابیدہ کے بیدار ہونے کی دیر ہے زندگی خود بخود لوٹ آئے گی۔

الجھ کر سلجھنے میں لذت اسے
تڑپنے پھڑکنے میں راحت اسے
گل اس شاخ سے توڑے بھی رہے
اسی شاخ سے پھولے بھی رہے
سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات
ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقشِ حیات

☆☆☆